امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ......ایک ہمہ جہت شخصیت

ڈاکٹر عمر فاروق احرار

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی انمول یادوں کے روح پرور تذکرے جس طرح اہلِ اسلام کے دلوں میں تازہ ہیں۔محسوس ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ اب بھی ہم میں موجود ہیں۔حالانکہ انہیں اِس عالم سے رخصت ہوئے نصف صدی سے زائد عرصہ بیت چکا ہے،مگر اُن کی یادوں کی خوشبو آج بھی سروسمن کی وسعتوں سے دارورسن کی حدوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری 23 ستمبر 1892ء میں صوبہ بہار (انڈیا) کے علاقہ پٹنہ میں پیدا ہوئے۔خاندانی نجیب الطرفین ہونا اُن کا مقدر بنا۔اوائل عمری میں ہی اردو زبان و بیان کے رموز سے بہرہ ور ہوئے۔علم کی پیاس پٹنہ سے امرتسر کے مردم خیز خطّے میں لے آئی۔تعلیم تکمیل کو پہنچا ہی چاہتی تھی کہ ہندوستان میں تحریک خلافت کا آغاز ہوگیا۔امرتسر اُن دنوں سیاست کا مرکز تھا۔شاہ صاحب بھی سیاست کی تپش سے محفوظ نہ رہ سکے۔تعلیم کا سلسلہ موقوف کیا اور سامراج کے ترک مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔شعلہ بار خطابت کا ملکہ قدرت نے اُنہیں وافر مہیا کر رکھا تھا۔بس اسے آگ دکھانے ہی کی دیر تھی۔خلافت عثمانیہ کے نحیف ونزار وجود کو انگریزوں نے روند ڈالا تو سید عطااللہ شاہ بخاری برصغیر کے چپے چپے میں پہنچے اور انہوں نے اپنی آتشیں تقریروں سے فرنگی سرکار کے خلاف عوام الناس کے دلوں میں بغاوت کے شعلے بھڑکا دیے۔اِسی تحریک خلافت ہی میں وہ پہلی مرتبہ عین عالم شباب میں جیل کی آزمائشوں سے دوچار ہوئے ۔قید و بند کا یہ سلسلہ ایسا مضبوط ہوا کہ پھر اُن کی ساری زندگی ’’ریل اور جیل‘‘ سے عبارت ہوگئی۔

1929ء میں اپنے ساتھیوں مولانا ظفر علی خان، چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، ماسٹر تاج الدین انصاری اور مولانا مظہر علی اظہر کے ساتھ مل کر برصغیر کی مقبول جماعت مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی۔1930ء میں جب اُن کی عمر مبارک محض اڑتیس برس تھی۔تب اپنے وقت کی عظیم دینی شخصیت علامہ سیّد انور شاہ کاشمیریؒ کی تجویز پر پانچ سو جیّد علماء کرام اور مشائخ نے ختم نبوت کے محاذ پر اُنہیں ’’امیر شریعت‘‘ تسلیم کرتے ہوئے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور یوں متحدہ پنجاب شاہ صاحب کی مضبوط قیادت میں آگیا۔پھر مجلس احرار اسلام نے اُن کی رہنمائی میں بیسیوں معرکے سر کیے۔جس کی تفصیلات تاریخ کا حصہ ہیں اور تاریخ کو ہم جیسے طالب علموں کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔

قسّامِ ازل نے بخاری صاحب کو گوناں گوں امتیازی خصوصیات سے نوازا تھا۔وہ اپنی ذات میں بیک وقت

بے مثل خطیب، برجستہ گوشاعر اور شعر فہمی میں یکتائے فن، متبحر عالم دین، دُور اندیش سیاست دان، اعلیٰ مدبر، نابغہ اور صاحبِ بصیرت انسان تو تھے ہی، مگر اِس کے ساتھ ساتھ معاملہ فہمی، مزاج شناسی، دوست داری، وضع داری، تحمل و رواداری جیسی صفات بھی اُن کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ یہی وہ بنیادی وجوہ تھیں کہ جن کی بناء پر وہ مرجع خلائق اور عام وخاص کی دلوں کی دھڑکن تھے۔ برصغیر میں شاہ صاحب جیسی کسی دوسری دلنواز شخصیت کا وجود عنقا تھا۔ وہ اپنے دینی اصول وعقائد پر سختی کے ساتھ کاربند تھے اوران میں کسی نرمی اور ترمیم کے روادار ہرگز نہ تھے، مگر ذاتی حیثیت سے وہ ہر دینی وسیاسی، علمی وادبی حلقوں، حتیٰ کہ ایک حدتک مذہب سے گریز پا طبقات میں بھی ہر دلعزیز تسلیم کیے جاتے تھے۔ اسی سبب وہ جہاں علامہ سیّدانورشاہ کشمیریؒ جیسی عظیم دینی ہستی کے منظورِنظر تھے، وہیں وہ فیض احمد فیض، صوفی تبسم، اختر شیرانی، جگر مرادآبادی، عبدالحمید عدم، ساغر صدیقی جیسے رندانِ بلاکش کے ہاں میر محفل مانے جاتے تھے۔

شاہ صاحب برصغیر کی وہ واحد شخصیت تھے کہ جن کا احترام ہر طبقہ میں پایا جاتا تھا۔ وہ جہاں حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑویؒ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور قطب الاقطاب حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی محبتوں کا مرکز تھے، وہیں وہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی تھے۔ شاہ صاحب یکساں طور پر مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ محمد اقبال اور مولانا محمد علی جوہر کی عنایات اوراُن کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرت جیسے کہنہ مشق صحافیوں، مرزا غلام قادر گرامی، حفیظ جالندھری، احسان دانش، احمد ندیم قاسمی، سیف الدین سیف، حبیب جالب جیسے نامور شاعروں اور ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، پطرس بخاری، علامہ طالوت، نسیم حجازی جیسے ادیبوں کے شاہ صاحب کے ساتھ قریبی مراسم تھے۔ ایک طرف وہ دینی حلقے کے محبوب تھے تو دوسری طرف اشتراکی رہنماؤں کامریڈ محمد اشرف، منشی احمد دین، سبط حسن، عبداللہ ملک بھی شاہ صاحب کی محفلوں کے رکن تھے۔

مختلف النوع شخصیات کے شاہ صاحب کے ساتھ تعلقات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ عقائد ونظریات کے مابین واضح فرق کے باوجود یہ سب لوگ شاہ صاحب کے ساتھ پیار ومحبت اورانس ومروت کیسے روا رکھتے تھے! درحقیقت یہ شاہ صاحب کی وسعت ظرفی، تحمل مزاجی، شفقت ورواداری کے علاوہ اُن کی انسان دوستی تھی، کیونکہ انہوں نے ایک دینی رہنما کی حیثیت سے اسلام کے اصولوں کے عین مطابق کسی فرد سے اُس کے عقیدہ ونظریہ کی بناء پر نفرت نہیں کی، بلکہ ایک معالج کی طرح مرض سے نفرت ضرور کی، مگر مریض کو ہمیشہ گلے لگایا۔ اُن کے حسن سلوک سے بے شمار لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ انہوں نے ایک داعی کا کردار ادا کیا اور داعی کسی سے نفرت نہیں کیا کرتا۔ آج عمل کی جگہ خود ساختہ نظریات کی شدت نے عموماً مذہبی رہنماؤں میں درشتی اور کرختگی پیدا کردی ہے۔ بعض اوقات اُن کے نامناسب طرز سلوک سے دیگر

طبقوں کے افراد اُن کے قریب آنے سے گریز کرتے ہیں۔ممتاز نعت گوشاعر حافظ لدھیانویؒ شاہ صاحب کو ملنے آئے ۔مغرب کی نماز کے لیے جماعت کھڑی ہوئی تو شاہ صاحب نے خود مصلیٰ امامت پر کھڑے ہونے کی بجائے فرمایا کہ آج ہم حافظ بیٹا کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ یہ حکم سن کر داڑھی منڈے نوجوان حافظ لدھیانوی کے بقول اُن کا وجود کانپ کر رہ گیا،لیکن چارونا چاراُن کوشاہ صاحب سمیت بہت سے علماء کرام کی امامت کرنا پڑی۔شاہ صاحب کے اِس برتاؤ سے اگلے دن ہی سے حافظ لدھیانوی نے بغیر کسی کے کہنے کے داڑھی رکھ لی۔افسوس کہ اب یہ حسن سلوک کہیں نظر نہیں آتا اور نئی نسل دین والوں سے دُور ہوتی جا رہی ہے۔

لوگوں کے عیبوں کی پردہ پوشی شاہ صاحب کا عمر بھر شیوہ رہا۔وہ خوبیوں پر نگاہ رکھتے اور کمزوریوں سے درگزر فرماتے تھے۔ایک مرتبہ رندمشرب شاعر عبدالحمید عدم،شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔عدم نشے میں تھے،شاہ صاحب نے تاڑ لیا،مگر اپنے رویے سے محسوس تک نہ ہونے دیا کہ انہیں عدم کے مدہوش ہونے کا پتا چل چکا ہے۔چائے بنا کر پلائی اور پھر عدم کی جھوٹی پیالی میں چائے ڈال کر خود نوش فرمالی۔جتنی دیر عدم حاضر رہے،منہ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہے۔تاکہ شاہ صاحب کو دُختِ رز کی بُو نہ پہنچے اور شاہ صاحب نے بھی اُن سے اپنی دیرینہ محبت وشفقت میں بال برابر کمی نہ آنے دی، بلکہ عدم سے اُن کا کلام سنتے اور داد دیتے رہے۔عدم کے چلے جانے کے بعد کسی شریک محفل نے کہا کہ شاہ صاحب ! آپ کو معلوم ہے کہ عدم نے شراب پی ہوئی تھی۔شاہ صاحب شدید غصے میں آ گئے اور فرمایا کہ تم خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔یادرکھو! کسی کے عیبوں پر پردہ ڈالنے سے اللہ تمہارے عیبوں پر بھی پردہ ڈال دے گا۔

ہر مکتبہ فکر نے شاہ صاحب کی وسعت ظرفی اور وسیع المشربی کی بدولت اُن کو اپنے سر اور آنکھوں پر جگہ دی۔دل سے اُن کا احترام کیا اور اس طرح وہ سب کے لیے عقیدت ومحبت کا روشن مینار تھے۔اپنی بے مثال قوت لسانی،فکر ونظر کی پختگی اور انسانیت سے بے لوث محبت کے پیش نظر وہ ہندوستان کی ہر دلعزیز شخصیت تھے۔مشہور انگریز مصنف ڈبلیو،سی سمتھ نے شاہ صاحب کی ایسی ہی خصوصیات کے پیش نظر بجا طور پر لکھا تھا کہ: ''یہ غیر معمولی انسان ہندوستان کی سب سے زیادہ اثر آفریں شخصیت ہونے کا نہایت قوی دعویٰ کر سکتا ہے۔'' (''ماڈرن اسلام اِن انڈیا''،صفحہ 266۔مطبوعہ لندن۔1946ء)

شاہ صاحب نے 21/اگست 1961ء کو ملتان میں رحلت فرمائی اور وہیں آسودۂ خاک ہیں۔اللہ اُن کی قبر کو اپنی رحمتوں سے بھر دے اور اُن کا سچا نعم البدل عطا کرے جو اُنہی کی طرح تمام طبقات کو اتحاد ویگانگت کا آفاقی درس دے اور یہ دھرتی اسلام کی سچی اور سُچی تعلیمات کی بدولت امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے۔آمین